IPS/INS/089/2026-89

Institute of Policy Studies
Islamabad

November 16, 2026

IPS INSIGHTS
Perspectives On the Issues Shaping Policy

بھارت میں بڑھتی ہوئی ہندتوا فکر اور اقلیتیں

ڈاکٹر شہزاد اقبال شام[1]

بھارت کی دستوری شناخت ایک سیکولر ملک کی ہے۔ جہاں، قطع نظر لوگوں کی سیاسی یا مذہبی وابستگی کے، تمام باشندوں کو اصولاً مساوی حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد بھارت میں بعض ہندو اکائیوں کی طرف سے مسلمانوں کے خلاف فرقہ وارانہ فسادات جیسے مختلف معاندانہ اقدامات ہوتے رہے۔ ان اقدامات کو کسی حد تک تقسیم ہند کا وقتی, محدود اور انفرادی رد عمل کہا جا سکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کے خلاف سماجی نا انصافیاں بتدریج بڑھتے بڑھتے منظم فسادات کی شکل اختیار کر گئیں۔ ان مذہبی فسادات کی ناروا تاریخ کو کے ایل گابا نے 'مجہول آوازیں' (passive voices) کے نام سے کتابی شکل میں محفوظ کر دیا. یہ فسادات انتہا پسند ہندو تنظیموں کی طرف سے یا ان کی سرپرستی میں ہوا کرتے تھے. ان فسادات سے ریاستی اداروں کی چشم پوشی کی مثالیں تو موجود ہیں لیکن ریاستی سرپرستی ہونے کے شواہد کم ہیں تاہم موجود ضرور ہیں۔

بابری مسجد اس ضمن میں نمایاں ترین مثال ہے۔ تاریخی ریکارڈ اور دستاویزات کے مطابق ۱۵۲۸ سے لے کر ۱۹۴۹ تک یہاں نماز ہوتی رہی۔ اور یہ تقریباً ۴۲۱ سال کا عرصہ بنتا ہے۔ نماز کا سلسلہ اس وقت رکا جب ۲۳دسمبر ۱۹۴۹ کو ، صبح مسجد میں مورتیاں پائی گئیں ۔امن وامان کے بہانے ضلعی انتظامیہ نے مسجد کے مرکزی دروازے کو تالا لگا دیا۔ یہ کانگریس کا دور تھا ۔ اس کے بعد وقتی طور پر دوسال [۱۹۷۹-۱۹۷۷] معمولی وقفہ کے علاوہ ہندوستان میں کانگریس ہی کی حکومت رہی لیکن تنازعہ کو انصاف کے ساتھ حل کرنے کی عملاً سنجیدہ کوششیں نہیں ہوئیں۔ یہاں تک کہ 90 کی دہائی میں ہندو انتہا پسند تنظیموں نے بابری مسجد شہید کر دی ۔ تب بھی بھارت میں سیکولر جماعت کانگریس کی حکومت تھی۔ کانگرسی حکومت یہ کام رکوا سکتی تھی لیکن اس نے اپنی خاموش سرپرستی میں نہ صرف کام مکمل کروایا بلکہ بعد والوں کے لیے بابری مسجد کی شہادت کو ملکی سیاست میں ایک مستقل عنوان بنا ڈالا۔ یہاں تک کہ بی جے پی کی موجودہ حکومت کے دور میں ۲۰۱۹ میں سپریم کورٹ کے ایک متنازعہ فیصلہ کے ذریعہ قدیم بابری مسجد کو ہمیشہ کے لیے ختم کرتے ہوئے ایک متبادل جگہ فراہم کر دی گئی۔

آج حال یہ ہے کہ مسجدوں کی تاریخی حیثیت زیر بحث لا کر اور اس عمل کو ادارہ جاتی اور عدالتی عمل سے گزار کرانہیں مندر

[1] سینئر فیلو ، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز، اسلام آباد

بنانا اور انہیں شہید کرنا بھارت میں ایک معمول بن چکا ہے۔ جہاں کہیں یہ ممکن نہ ہو، وہاں اقامت صلاۃ پر پابندی تو بہت سہل کام اور عام سی بات ہے۔ بھارت کے متعدد شہروں میں اس کام کا آغاز ہو چکا ہے۔چنانچہ صرف ستمبر ۲۰۲۶ میں متعدد مساجد کو مکمل یا جزوی طورپر منہدم کیا گیادر حقیقت ۲۰۲۶ کے ایک ۴۵ روزہ دورانیہ میں مجموعی طورپر کم از کم ۲۳ مسلم مذہبی مقامات [مساجد، مدارس اور مزارات] کو نشانہ بنایا گیا۔[مسلم ٹی وی نیٹ ورک]

دہلی میں حالیہ مہینوں کے دوران میں دو قدیم مساجد کو ہٹانے یا خالی کرنے کی کوششیں حکومت کی جانب سے شروع کی گئی ہیں ۔نئی دہلی کے کرشی بھون کمپلیکس میں واقع کرشی بھون مسجد کے بارے میں مرکزی حکومت نے دہلی ہائی کورٹ میں ایک اسٹیٹس رپورٹ جمع کرائی ہے، جس کے مطابق ایک بڑے انفراسٹرکچر [سینٹرل وسٹا] پروجیکٹ کے تحت اس سو سال سے زائد قدیم مسجد کو اس بنیادپر ہٹانا ضروری قرار دیا گیا ہے کہ یہ زمین سرکاری ہے اور عارضی قبضے کے تحت تھی۔ اسی طرح وزیر اعظم کی رہائش گاہ کے قریب ریس کورس کے علاقے میں واقع پرانی تاریخی مسجد کو صرف ۶ روز میں خالی کرنے کا نوٹس دیا گیا مسجد کو خالی کرنے کی کارروائی کے دوران ۷ ، اکتوبر سے اس کے بجلی اور پانی کے کنکشن بھی کاٹ دیے گئے۔ تنازعہ اب عدالت میں ہے جہاں اس کے انہدام کی کارروائی کو حکم التوا کے مطابق روک دیا گیا ہے۔ دہلی وقف بورڈ کی عدالت میں داخل درخواست کے مطابق یہ مسجد ۳۰۰ سال سے زیادہ پرانی ہے ۔[2]

اکتوبر اور نومبر ۲۰۲۶ میں ہی آسام اور بہار میں بھی مساجد کو منہدم کرنے، زمین بوس کرنے اور انہیں نشانہ بنانے کے سنگین واقعات اور تنازعات رپورٹ ہوئے ہیں۔آسام میں(BJP)حکومت کی جانب سے ”سرکاری اور جنگلاتی اراضی سے تجاوزات کے خاتمے کے نام پر بڑے پیمانے پر بلڈوزر مہم چلائی گئی ہے جس میں مساجد کو نشانہ بنایا گیا ۔۱۷ اور ۱۸، اکتوبر ۲۰۲۶ کوآسام کے اضلاع ناگاؤں، ہوجوئی اور گولا گھاٹ میں مہم کے دوران 10 سے زائد مساجد اور جامع مسجد کو منہدم کیا گیا۔ اس کارروائی کے نتیجے میں 1,100 سے زائد مسلم خاندان (جن میں زیادہ تر بنگالی زبان بولنے والے ہیں) بے گھر بھی ہوئے۔

یکم نومبر 2026 کو آسام کے ضلع دھوبری کے علاقے عالم گنج میں ایک بڑی کارروائی کی گئی جس میں 50 سے زائد بلڈوزر استعمال کیے گئے۔ اس دوران بھی مقامی مساجد کو مسمار کیا گیا، اور سوشل میڈیا و بین الاقوامی میڈیا پر ایسی ویڈیوز سامنے آئیں جہاں مسلم خواتین کو مسجد کے اندر روتے اور دعا کرتے دیکھا گیا۔آسام کے وزیر اعلیٰ ہمانتا بسوا شرما نے ان کارروائیوں کا دفاع کرتے ہوئے اسے ترقیاتی مہم کا حصہ قرار دیا ۔

مساجد کی تالہ بندی یامسمار کرنے کے ساتھ ساتھ اداروں کے قانونی تشخص کو متاثر کرنے اورمالی طورپر تباہ حال کرنے کی حکمت عملی بھی جاری ہے۔ چنانچہ شمالی ریاست اتراکھنڈ میں ابتدائی قدم کے طور پر مسلمانوں کا مدرسہ بورڈ ختم کر کے نیا سرکاری بورڈ بنایا گیا ہے۔ اب یہ سرکاری بورڈ دینی مدارس کی رجسٹریشن کیا کرے گا۔ مسلمانوں نے اسے مان لیا۔ اہم بات یہ ہے کئی دیگر ممالک کی طرح بھارت میں بھی دینی مدارس کو سرکاری امداد ملتی ہے۔ اتراکھنڈ کے 500 مدارس میں سے 200 کو سرکاری گرانٹ ملتی تھی جو اب بند کر دی گئی ہے۔ مسلمانوں نے اسے بھی قبول کرکے اپنے مدارس کو زکوۃ، خیرات اور عطیات پر چلانا شروع کر دیا۔ پھر مدارس اور ان کے نصاب کو کڑی سرکاری نگرانی سے گزار کر ان سے پائی پائی کا حساب مانگا گیا۔ نئے ریاستی قانون کے یہ سب تقاضے پورے کرنے کے باوجود اب وہاں، معلوم نہیں کیوں، مدارس کو سیل کرنے کی ابتدا کر دی گئی ہے۔

[2]: مزید تفصیلات کے لیے
https://www.bbc.com/news/articles/cwp9gljmp3kdo

اوپر بیان کردہ یہ واقعات محض چند ہفتوں کے واقعات میں سے منتخب کیے گئے ہیں لیکن ان سے بھارت میں جاری عمومی رجحانات کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔ تاہم تصویر کا ایک استثنائی رخ یہ ہے کہ اس عمومی رجحان کے مقابلہ میں بعض مثبت واقعات بھی نظر آجاتے ہیں - اتراکھنڈ کے شہر رڑکی میں سرکاری افسر ایک مدرسے کو سیل کرنے پہنچے تو بی جے پی کی سرکاری سرپرستی میں کیا جانے والا یہ کام عام ہندوؤں کے لیے بھی ناقابل قبول تھا۔ چنانچہ بلا تفریق مذہب عام آبادی کے ساتھ بی جے پی کی مقامی سیاسی قیادت بھی مسلمانوں کے ساتھ احتجاج میں شریک ہو گئی۔ البتہ ایسا منفرد احتجاج بھارت میں کم ہی دیکھنے کو ملتا ہے۔ انتہا پسند ہندتوا فکر نے عام ہندو آبادی کے ذہنوں کو جس طرح جکڑ رکھا ہے، اس سے بھارت کو کب افاقہ ہوگا اور کب یہ ملک بین الاقوامی برادری میں سر اٹھانے کے لائق ہوگا، اس پر مودی سرکار کے ہوتے ہوئے کچھ کہنا مشکل ہے۔

مسلمان ہی نہیں، بی جے پی کی نریندر مودی حکومت دیگر مذہبی اقلیتوں کے ساتھ بھی یہی کچھ کر رہی ہے۔ مشرقی بھارتی ریاست ناگالینڈ میں مسیحی آبادی 88 فیصد ہے۔ اپنے مذہب پر عمل کے باب میں اسے جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے، ان کے سبب اس ریاست کے منظم گروہ متعدد بار بھارت سے علیحدگی کا اعلان کر چکے ہیں۔

چنانچہ گزشتہ ہفتے کی ایک خبر کے مطابق مغربی بنگال کے ایک شہر میں چرچ کی افتتاحی تقریب تھی۔ تقریب میں مقامی اور بیرون شہر کے پادری اور خواتین موجود تھیں۔ تقریب شروع ہوتے ہی انتہا پسند ہندو تنظیم بجرنگ دل اور سرکاری پارٹی بی جے پی کے لوگوں نے آکر اس پر حملہ کر دیا۔ خواتین تک کو مارا پیٹا اور تقریب کو تہس نہس کر دیا۔ [اردو انڈیاڈاٹ کام] مسیحی آبادی اور مسلم آبادی کے باب میں ایک ریاستی فرق البتہ موجود ہے۔ مسجد گرائی جائے یا اس پر حملہ کیا جائے تو پولیس اکثراوقات ایف آئی آر درج نہیں کرتی۔ چرچ کے معاملے میں ذرا رد و کد کے بعد ایف آئی آر درج کر لی جاتی ہے۔ لیکن ملزموں کی گرفتاری اور تفتیش کے ضمن میں پولیس دونوں صورتوں میں کچھ نہیں کرتی۔ یہاں مسلمان اور دیگر مذہبی اقلیتیں یکساں بے چارگی کا شکار ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد بھارت اقلیتوں اور مختلف طرز ہائے زندگی کا ایک گلدستہ سا رہا ہے لیکن بی جے پی کی مودی حکومت میں یہ گلدستہ اب ایک کانٹے دار جھاڑی بن چکا ہے۔ آج کے بھارت میں مذہبی اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں سے غیر انسانی سلوک بڑھتا جا رہا ہے۔ ماضی کے برعکس آج یہ کام ریاستی حکومتوں، سرکاری افسران اور انتہا پسند سیاسی کارکنوں کی براہ راست سرپرستی میں ہو رہا ہے۔ عام ملکی آبادی کا قابل ذکر حصہ اگرچہ اس ناروا کام سے لا تعلق ہے لیکن مودی اور بی جے پی کی ہندتوائی فکر میں جکڑے بھارت کے اندر مذہبی اقلیتیں پریشان کن زندگی گزار رہی ہیں۔